اسلامی شریعت میں ریاست کا مقام

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان - عراق

[ڈاکٹر عبدالکریم زیدان عراق کے نامور محقق اور عالم ہیں۔ بغداد کے تعلیمات اسلامیہ کالج کے پرنسپل ہیں۔ اسلامی دعوت و ارشاد اور تعلیم و تربیت کے میدان میں انہوں نے بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں۔ حال ہی میں ان کا ایک دلچسپ مضمون منظر عام پر آیا ہے۔ جس کا عنوان ہے الفرد والدولۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ (اسلامی شریعت میں فرد اور ریاست کے باہمی تعلق کی نوعیت)۔ اس مضمون کا پہلا باب پیش خدمت ہے۔ ادارہ]

۱۔ تمہید

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی شریعت محض ایک دینی دعوت ہے جس کا موضوع اخلاق ہے اور اس کی غایت یہ ہے کہ انسان کے تعلق کو اس کے رب کے ساتھ استوار کیا جائے اور بس۔ اس کے علاوہ اسے کسی چیز سے یا حیاتِ انسانی سے، جس کا ایک پہلو مملکت اور حکومت بھی ہے، کوئی غرض نہیں۔ مگر شریعتِ اسلامی کے متعلق یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ وہ اسے تسلیم نہیں کرتی، اور نہ اس قسم کے کسی تصور کے لیے اس کے اندر کوئی گنجائش ہے۔

۲۔ شریعتِ اسلامی کے نزدیک ریاست کا قیام مطلوب ہے۔

اسلامی شریعت کی ایک اہم خصوصیت اس کی جامعیت ہے۔ زندگی کا کوئی معاملہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں شریعت انسان کی رہنمائی نہ کرتی ہو۔ اس میں ہمیں عبادات، اخلاق اور عقائد کے

پہلو بہ پہلو افراد اور جماعتوں کے باہمی تعلقات کی درستی و اصلاح کے لیے بھی احکام ملتے ہیں، جن کو دیکھ کر انسان پکار اٹھتا ہے کہ بے شک خداوندِ بزرگ و برتر نے سچ فرمایا ہے کہ:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸) — ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

شریعتِ اسلامی کی اس وسعت و ہمہ گیری کی موجودگی میں ناممکن تھا کہ یہ مملکت اور حکومت کے بارے میں خاموش رہتی۔ حکومت اور نظامِ حکومت کے بارے میں کسی طرح کی کوئی رہنمائی نہ دیتی! اسلامی شریعت میں شورائیت کے اصول، حکام کی ذمہ داری، نیکی کے کاموں (معروف) میں ان کی اطاعت، صلح و جنگ اور بین الاقوامی معاہدات اور اسی طرح حکومت کے بہت سے دوسرے اعمال کے متعلق جو اصول اور قوانین ملتے ہیں وہ یہ بتلانے کے لیے کافی ہیں کہ شریعتِ اسلامی ان سب کی جامع ہے۔

اسی طرح احادیثِ نبوی میں ہمیں امیر، امام، اور سلطان وغیرہ کلمات عام ملتے ہیں۔ یہ سب الفاظ اس مرکزِ اختیارات کے لیے آتے ہیں جو فرماں روائی اور غلبے کی صفات سے متصف ہو، یعنی اس سے مراد حکومت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حکومت مملکت کے اجزائے ترکیبی میں سے ایک بڑا جزو ہے۔ ہم نے اوپر قرآن و حدیث کے جن احکام کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ہم سب کے لیے واجبِ تعمیل ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق ڈھالیں۔ کیونکہ خدا نے اپنے رسول پر وحی کے ذریعے احکام اس لیے نہیں بھیجے کہ ان کی محض تلاوت کر لی جائے۔ وحیِ الٰہی کا منشاء یہ ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھا جائے اور اسے عملی زندگی میں جاری و ساری کیا جائے، اور یہ کام اسی طرح ممکن ہے کہ شریعت کی رہنمائی میں اس کی مطلوبہ ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے۔

احکامِ اسلامی کی تنفیذ کے لیے ریاست کا وجود ناگزیر ہے

شریعتِ اسلامی میں یہ جو تعزیرات کے احکام ہیں، خدا کی نازل کردہ ہدایت کی روشنی میں انسانوں کے معاملات طے کرنے پر زور ہے، خدا کے رستے میں جہاد کی تلقین ہے اور اسی طرح کے اور بہت سے جو احکام ملتے ہیں، وہ سب کے سب ایسے ہیں جن کے عملی نفاذ کے لیے ایک ایسی ریاست کا ہونا ضروری

ہے جس کو افراد پر اقتدار اور غلبہ حاصل ہو، ان احکام کو اگر لوگ انفرادی طور پر نافذ کرنا چاہیں تو بھی نہیں کر سکتے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے اس قول میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے:

"انسانوں کے معاملات کی تنظیم دین کے سب سے بڑے واجبات میں سے ہے، بلکہ خود دین کا قیام بھی اسی طرح ممکن ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مظلوم کی امداد کا جو حکم دیا ہے، اور وہ تمام احکام جو جہاد، عدل اور حدود اللہ کے قیام سے متعلق ہیں، ان پر قوت اور امارت کے بغیر عمل کرنا ممکن نہیں ہے"[1]

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام کے نفاذ کے لیے اسلامی ریاست کا قیام ضروری ہے!

اسلامی ریاست — بندگیٔ رب کا تقاضا!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (الذاریات: ۵۶)

یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے

اس آیت میں عبادت کا لفظ بہت جامع مفہوم کا حامل ہے۔ اور اس میں انسان کے وہ تمام ظاہری و باطنی اقوال اور افعال شامل ہیں، جو خدا کے ہاں مقبول و محبوب ہیں[2]۔

عبادت کے اس وسیع مفہوم کی روشنی میں انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی، اپنے اقوال و افعال، اختیارات، اور انسانی تعلقات کو شریعتِ اسلامی کی منشاء کے مطابق بنائے۔ مگر ایسا کرنا کسی فردِ واحد کے دائرۂ قدرت سے باہر ہے۔ وہ اگر چاہے تب بھی انفرادی طور پر شریعت کا یہ منشا پورا نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے ایک منظم معاشرے کا ہونا ضروری ہے، جو اسلامی رنگ میں رنگا ہو، اور جس کے اندر رہ کر انسان کے لیے اپنی زندگی کو اسلامی شریعت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا آسان ہو۔ کیونکہ انسان میل جول کی مخلوق ہے اور وہ اپنے ماحول سے لازماً متاثر ہوتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو، السیاسۃ الشرعیہ: امام ابن تیمیہ ص ۱۷۲-۱۷۳

[2] " " فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۳۰۴ اور اس کے بعد کا حصہ۔

ماحول کے اس خارجی تاثر کے نتیجے میں وہ نیکی اور خیر کو بھی اختیار کر سکتا ہے، اور گمراہی اور شر کی پگڈنڈیوں میں بھی گم ہو سکتا ہے۔ ہماری اس بات کی تائید اس حدیثِ نبویؐ سے بھی ہوتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ "ہر پیدا ہونے والا بچہ نیکی کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی اور مجوسی۔ اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے کہ مویشی جو بچہ دیتے ہیں وہ صحیح سالم ہوتا ہے ان میں کوئی نکٹا یا کن کٹا نہیں ملتا۔ پھر تم لوگ ان کے ناک کان کاٹ دیتے ہو۔"[1]

بچے کے لیے پہلا چھوٹا سا معاشرہ اس کے والدین ہوتے ہیں۔ جو اگر خود گم کردہ راہ ہوں تو اس بچے کو بھی گمراہی اور ضلالت کے اندھیروں میں بھٹکا دیتے ہیں۔ اور اُسے اس کی فطری روش سے منحرف کر دیتے ہیں جس کا شعور وہ خدا کے ہاں سے لے کر آتا ہے۔ لیکن اگر دوسری صورت ہو اور اس کے والدین صالح اور نیک ہوں تو بچہ اپنی اصل فطرت کے مطابق پھلتا پھولتا ہے اور خیر اور نیکی کی منازل طے کرتا جاتا ہے۔

قرآن کریم بھی اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ بگڑے ہوئے معاشرے میں اسلام کے احکام بجا لانا اور اسلام کے مطابق زندگی گزارنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ایسے معاشرے کو چھوڑ کر ہجرت کر جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ؟ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۔ (النساء: ۹۷)

جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے ؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "یہ عمومی آیت ان تمام لوگوں کے بارے میں ہے جو ہجرت کر جانے کی قدرت رکھنے کے باوجود مشرکین کے درمیان قیام پذیر رہے درآنحالیکہ وہ وہاں

[1] المنتخب من السنۃ، ص ۳۹۱

دین کی اقامت سے عاجز تھے۔ ایسے سب لوگ اپنے نفوس پر ظلم ڈھاتے رہے۔ اور اس بات پر اجماع ہے کہ انھوں نے حرام کا ارتکاب کیا۔[1]

اس سے ظاہر ہے کہ اگر بنیادی طور پر معاشرہ اسلامی نہ ہو جس میں افراد کے لیے اسلامی طرزِ زندگی کو اپنانا سہل ہو اور مختلف عبادات کی صورت میں اُن کی تکمیلِ ذات کے لیے ایک صالح ماحول موجود ہو، تو نہ انسان اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کر سکتا ہے اور نہ شریعت کے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں دوسرے انسانوں سے اپنے تعلقات قائم رکھ سکتا ہے

اس قسم کے اسلامی معاشرے کو محض وعظ و تلقین سے وجود میں نہیں لایا جا سکتا۔ اس کا قیام ایک ریاست کے ذریعے ہی ممکن ہے، جو کسی معاشرے کو جس رنگ میں چاہے ڈھالنے کی قدرت رکھتی ہے۔ اور پھر اس کی سلامتی اور تحفظ کی ضامن بنتی ہے، اور اسے تخریب اور فساد سے بچاتی ہے۔ یہ کام ریاست اور صرف ریاست ہی کر سکتی ہے، مقتدر اور بافوت ریاست۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ۔ (الحدید: ۲۵)

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو اتارا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔ اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے فائدے ہیں تاکہ اللہ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے۔

جن لوگوں کو کتاب کی ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، انہیں لوہا ـــــ یعنی سیاسی قوت ـــــ خرابی پیدا کرنے اور گمراہی پھیلانے سے باز رکھتی ہے ـــــ کیونکہ کسی شخص کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ کشتی میں چھید کر کے اس میں سوار سب لوگوں کو تباہی کے حوالے کر دے۔ معاشرے کو تخریب اور انحراف کی تباہ کاریوں سے تحفظ دینے والی فعّال قوت صرف ریاست کی قوت ہے۔ حضرت عثمانؓ کا قول ہے:

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۴۲

"اللہ تعالیٰ جن باتوں کا سدِباب قرآن سے نہیں کرتا ان کا انسداد وہ قوت سے کرتا ہے"۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کا نقشہ پیش کیا ہے:

اسلامی شریعت نہ صرف ایک ریاست کے قیام کی متقاضی ہے، بلکہ اس کے قیام کا حکم دیتی ہے۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کا آغاز اسلامی ریاست کے قیام کے لیے ضروری منصوبہ بندی اور تیاری سے کیا۔ بیعت عقبہ ثانی، جو آپؐ کے مکہ سے مدینہ کو ہجرت سے قبل ہوئی، اس کا سرآغاز ہے۔ سیرت کے مصنفین نے اس عظیم الشان بیعت کی جو تفصیلات بیان کی ہیں، ان کے مطابق مدینے کے مسلمانوں کا ایک وفد جن میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں شامل تھیں، مکہ کے پاس ایک مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور آپؐ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ اس تاریخی ملاقات کے خاتمے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خطاب کیا۔ اور انھیں اطاعت خداوندی کی تلقین کی۔ اس کے بعد وفد کے اراکین میں سے بعض حضرات نے اظہار خیال کیا۔ اور ایک بات یہ کہی کہ "اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے کن باتوں کی بیعت کریں؟" آپ نے فرمایا: "تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اچھے اور بُرے ہر حال میں تم میری بات سنو گے اور اطاعت کرو گے۔ اور نیکی کا حکم دو گے اور بُرائی سے روکو گے، اللہ کے مقابلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرو گے، اور اس بات پر کہ تم میری مدد کرو گے، اور جب میں تمہارے پاس چلا جاؤں تو تم میری حفاظت اُسی طرح کرو گے جس طرح تم اپنی جانوں کی اور بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اس کے بدلے میں تمہیں جنت ملے گی"۔ اس پر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور جو باتیں آپ نے بتائی تھیں ان سب پر آپ سے بیعت کر لی[1]۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینے کے مسلمانوں کی یہ بیعت اولین اسلامی ریاست کے قیام کی تمہید تھی۔ اور اس بات کا واضح اعلان تھا کہ ان مسلمانوں نے جس ریاست کے قیام کا وعدہ کیا ہے اس میں بالادستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگی اور وہ سب ان کی اطاعت کے پابند ہوں گے۔ سمع و اطاعت کا عہد کر کے انہوں نے یہ اقرار کیا کہ نئی ریاست کے معاملات کے چلانے میں وہ رسول کی مرضی

[1] البدایہ والنہایہ: امام ابن کثیر جلد ۱، صفحہ ۱۵۹۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۴ اور امتاع الاسماع مصنفہ مقریزی ص ۲۵

پر چلیں گے، اور اگر اس نئے معاشرے یعنی ریاست کی سلامتی کو کوئی خطرہ لاحق ہوا تو اس کا دفاع کریں گے۔ اور اگر اس نظامِ نو بالفاظِ دیگر قانونِ اسلامی کی بالادستی کو چیلنج کیا گیا تو اس کی حفاظت کے لیے لڑیں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "وعلی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر" یعنی نیکی کا حکم اور بدی سے روکنے پر بیعت کا مفہوم یہی ہے۔

دنیا کی پہلی اسلامی ریاست

مدینے کو ہجرت سے پہلے آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کو ہجرت کا حکم دیا۔ اور فرمایا: "خدائے بزرگ و برتر نے تمہیں ایسے بھائی دیئے ہیں اور ایک ایسا گھر دیا ہے، جہاں تم امن سے رہ سکو گے۔" پھر جب آپ مکہ سے مدینے تشریف لے گئے۔ اور آپ کو ذرا سکون نصیب ہوا اور آپؐ اپنی مسجد تعمیر کر چکے تو آپؐ نے مہاجرین اور انصار کو ایک عہدنامے کا پابند بنایا۔ جس میں یہود کو بھی صلح و آشتی کی پیش کش کی گئی تھی، اور ان کو اپنے دین پر قائم رہنے اور اپنے اموال کی ملکیت قائم رکھنے کا حق دیا گیا تھا۔ اس میں اگر ایک طرف انہیں بعض سہولتیں دی گئی تھیں تو دوسری طرف انہیں بعض باتوں کا پابند بھی بنایا گیا تھا[1]۔" یوں دنیا کی پہلی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔

اس اسلامی ریاست کے پہلے سربراہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے اور یہودیوں سے آپ نے جو معاہدہ کیا اس میں آپ کی یہی سیاسی حیثیت کارفرما تھی، جو مدینے کی نئی اسلامی ریاست کے سربراہ کے طور پر آپ کو حاصل تھی۔ اس کے بعد آپ اسلامی ریاست کے داخلی معاملات کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور آپ نے مہاجرین اور انصار کے مابین اخوت کا رشتہ استوار کیا، جس کے نتیجے میں وہ ایک دوسرے کی مال و جائیداد کے وارث قرار پاتے، یہاں تک کہ شریعت کے قانونِ وراثت نے اس کو منسوخ کر دیا[2]۔

ریاست کے اجزائے ترکیبی

جدید قانون کی زبان میں ریاست کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ "یہ افراد کے اُس منظم اجتماع کا

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۱۹۔ [2] البدایہ والنہایہ: ابن کثیر جلد ۳، صفحہ ۲۲۴

نام ہے جو ایک خاص قطعۂ زمین پر آباد ہو۔ اقتدار کا حامل ہو، اور اپنی ایک معنوی شخصیت رکھتا ہو۔[1]
اس تعریف سے ریاست کے مندرجہ ذیل عناصر ترکیبی سامنے آتے ہیں:

(۱) انسانوں کا اجتماع - (۲) ایک مخصوص نظامِ غالب - (۳) ایک مقررہ خطۂ زمین
(۴) اقتدارِ اعلیٰ - (۵) معنوی شخصیت یا انفرادیت -

ریاست کی اس تعریف کی روشنی میں جب ہم مدینہ کی اسلامی ریاست پر نظر ڈالتے ہیں، تو اس میں ہمیں یہ سب عناصر مل جاتے ہیں۔ وہاں انسانوں کا ایک اجتماع موجود تھا جو کہ اولین مہاجرین و انصار کے اشتراک سے وجود میں آیا تھا، شریعتِ اسلامی کی صورت میں وہ نظامِ غالب بھی موجود تھا جو اس اجتماع کے اصول و قواعد کے بارے میں رہنمائی دیتا تھا اور مدینہ منورہ وہ خطۂ زمین تھا جسے یہ شرف حاصل ہوا کہ وہاں پر اولین اسلامی ریاست قائم ہو۔ اللہ کا رسول خود اس اسلامی ریاست کا سربراہ تھا۔ اور اس نے اپنی اس حیثیت میں ریاست کے تمام معاملات اور مصالح کی نگرانی و رہنمائی کی۔ رہ گئی اس اولین اسلامی ریاست کی معنوی شخصیت تو اس کی موجودگی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ سربراہ مملکت کی حیثیت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو متعدد معاہدات کیے، اس میں آپ محض اپنی شخصی حیثیت میں ایک فریق نہیں تھے، بلکہ بحیثیت مجموعی پوری ریاست کی شخصیت (معنوی) کی علامت تھے۔ اسی لیے آپ کے کیے ہوئے معاہدوں کی پابندی اسلامی ریاست پر واجب ٹھیری۔

رسول اللہ کی دو حیثیتیں

مدینے میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیک وقت دو حیثیتیں حاصل ہو گئیں۔ آپ کی ایک حیثیت یہ تھی کہ آپ خدا کے فرستادہ نبی تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی اس حیثیت میں خدا کا پیغام انسانوں تک پہنچایا۔ دوسری طرف آپ اسلامی ریاست کے رئیس اعلیٰ اور قاضیٔ اعلیٰ بھی تھے۔ قوتِ نافذہ اور قوتِ قضائیہ دونوں کا مرکز آپ کی ذات تھی۔ آپ انتظامیہ کے نگران تھے اور عدلیہ کے سربراہ بھی۔ منصبِ نبوت کی ذمہ داریاں ان پر مستزاد تھیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر مصطفیٰ کامل کی عربی کتاب۔ شرح القانون الدستوری ص۲۵۔

فقہاء کے نزدیک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ان مختلف حیثیات کا اجتماع ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ چنانچہ ان فقہاء نے آپ کی ان مختلف حیثیتوں کے پیش نظر آپ کے احکام و فرامین میں فرق کو جس طرح بیان کیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت نبی کے آپ نے انسانوں کو جو باتیں بتائی ہیں، ان کی پابندی سب پر لازم ہے۔ مگر اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت میں آپ نے وقتاً فوقتاً جو احکام دیئے ہیں، ان پر عملدرآمد موجودالوقت اسلامی ریاست کے سربراہ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ اسی طرح قاضی کی حیثیت سے آپ نے مختلف اوقات میں جو مختلف فیصلے دیئے ان پر وقت کی اسلامی عدالت کی اجازت کے بغیر عمل جائز نہیں۔ اسلامی احکام کی یہ مختلف حیثیات ہی فقہاء میں اجتہادی اختلافات کا سبب بنی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم نبی کی حیثیت سے دیا ہے یا محض قاضی اور اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے کوئی فیصلہ صادر کیا ہے؛ فقہاء نے اس سوال کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ اسی لیے ان کے استنباط کے نتائج بھی مختلف نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر بنجر زمین کو آباد کرکے اس کی ملکیت کا سوال ہے۔ اس کے متعلق سبھی اپنے استدلال کی بنیاد اس حدیث پر رکھتے ہیں:

من احیا ارضاً میتۃً فھی لہٗ۔ جس کسی نے کوئی بنجر زمین آباد کی وہ اسی کی ہے۔

لیکن اس کے باوجود ان کے استنباطی نتائج مختلف ہیں۔ بعض کا خیال ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایک فتوے اور عام حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کی رُو سے ہر اس شخص کو جو کسی بنجر زمین کو آباد کرے اس پر قبضہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے، خواہ امامِ وقت یعنی رئیسِ مملکت اسے ایسا کرنے کی اجازت دے یا نہ دے۔ یہ امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے۔ بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیغمبرانہ حیثیت میں نہیں بلکہ اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے بنجر زمینیں آباد کرنے والوں کو ان پر قبضے کی اجازت دی تھی۔ اس لیے اب کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی اجازت کے بغیر کسی ویران زمین کو آباد کرکے اس پر قبضہ جما کر بیٹھ جائے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور قول ہے جس میں آپ نے ابوسفیان کی بیوی سے کہا: "اپنی اور اپنے بیٹے کی ضروریات کے لیے ابوسفیان کے مال میں سے معروف طریقہ کے

مطابق لے لو۔ بعض فقہاء اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمومی حکم قرار دیتے ہیں جس میں آپ نے ہر شخص کو گویا یہ حق عطا فرما دیا ہے کہ اسے جب موقع ملے دوسروں کے اموال میں سے اپنا حق وصول کرلے خواہ اصل مالکوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے مگر دوسرے فقہاء کو اس سے اختلاف ہے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ ایک قاضی کی حیثیت سے دیا تھا۔ اس لیے اب حکومت کے مقرر کردہ قاضی کے فیصلے کے بغیر خود ہی لوگوں کے مالوں میں سے اپنا حق وصول کرتے پھرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے[۲]۔

فقہی اصطلاح میں دارالاسلام اسلامی ریاست کا نام ہے

فقہاء نے اسلامی ریاست کو "دارالاسلام" کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جس میں جدید قانون کے مطابق ریاست کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ فقہاء نے دارالاسلام کی جو مختلف تعریفیں کی ہیں انہیں اس کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان تعریفوں میں سے بعض میں دارالاسلام کے بعض پہلوؤں پر زور ہے اور بعض میں کچھ اور پہلو نمایاں ہیں۔ مثال کے طور پر ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ "دارالاسلام اس مقام کا نام ہے جہاں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو[۳]"۔

اس تعریف میں اقتدار اور رقبہ کے اجزاء نمایاں ہیں، اور ریاست کے باقی عناصر ـــ جیسے آبادی اور نظامِ حکومت ـــ ان کے اندر مضمر ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے جہاں مسلمان آباد ہوں گے وہ لامحالہ اسلامی قانون پر ہی عمل پیرا ہوں گے۔ بعض فقہاء کے نزدیک دارالاسلام سے وہ علاقہ مراد ہے جہاں مسلمانوں کی قوت اور اقتدار کے نتیجے میں اسلامی شعار نمایاں ہوں[۴]۔ اس تعریف میں ریاست کے نظامِ حکومت اور اقتدار پر زور ہے اور آبادی اور رقبہ جیسے ریاست کے دوسرے اجزاء کو مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہاں پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلامی ریاست کے ضمن میں جب آبادی کا ذکر آتا ہے تو

---

[۱] الفروق للقرافی جلد ۱ صفحہ ۲۷-۲۸۔

[۲] شرح السیر الکبیر۔ مصنفہ سرخسی جلد ۱ صفحہ ۸۱

[۳] شرح الازہار۔ جلد ۵، صفحہ ۵۷۱-۵۷۲۔

اس سے محض مسلمان آبادی مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے اندر غیر مسلم آبادی بھی شامل ہوتی ہے۔ اس کی تصریح میں فقہاء کا یہ قول موجود ہے کہ "ذمّی — غیر مسلم آبادی — بھی دارالاسلام کی آبادی میں شمار ہوتی ہے[۱]"۔ یہی نہیں بلکہ دارالاسلام کے قیام کے لیے آبادی کا مسلمان ہونا سرے سے ضروری ہی نہیں ہے۔ اس کے لیے اس کے حاکم کا مسلمان ہونا اور اس کا اسلامی نظام پر عامل ہونا کافی ہے۔ چنانچہ امام الرافعی کا قول ہے: "دارالاسلام کے لیے اس میں مسلمانوں کا ہونا کوئی شرط نہیں۔ بلکہ اس کے وجود میں آنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس کی زمامِ اختیار ایک امام اور اسلام کے ہاتھ میں ہو[۲]"۔

اسلامی ریاست کا مزاج اور اس کے مقاصد

اسلامی ریاست ایک نظریاتی مملکت ہے، جو اسلامی عقیدے اور اصول و احکام کی اساس پر وجود میں آتی ہے۔ یہ کوئی محدود علاقائی ریاست نہیں ہے، جو مخصوص جغرافیائی سرحدوں کی پابند ہو۔ اور نہ یہ محدود معنوں میں کوئی نسلی ریاست ہے کہ جو کسی خاص قوم یا نسل پر مشتمل ہوتی ہے۔ بلکہ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا یہ ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اور اپنے نظریے کی طرح اس کی حدود بھی وسیع اور لامحدود ہوتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ اس کے اندر رنگ، نسل اور علاقے کے امتیازات کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ اسلامی ریاست کا یہی وہ مزاج ہے جو اسے ایک عالمی ریاست بناتا ہے جس میں مختلف نسلوں اور قوموں کے لوگ مل جل کر رہتے ہیں۔ ان میں سے جو چاہے وہ کسی وقت بھی اس ریاست کے اساسی نظریے یعنی اسلام کو قبول کر کے اس کے عقیدے اور نظام کے محافظوں کی صف میں شامل ہو سکتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے وہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہو تو بھی وہ اسلامی ریاست کے قانون کے تحت آرام سے زندگی گزار سکتا ہے۔ ریاست اس کے مذہب اور عقیدے کی آزادی میں کسی طرح کی کوئی مداخلت نہیں کرتی۔

جہاں تک اس اسلامی ریاست کے مقاصد کا تعلق ہے وہ اس کے بنیادی مزاج کا منطقی نتیجہ ہیں۔

---

[۱] بدائع الصنائع مصنفہ کاسانی جلد ۵، صفحہ ۲۸۱ المبسوط مصنفہ سرخسی جلد ۱ صفحہ ۸۱ اور المغنی جلد ۵ صفحہ ۵۱۶

[۲] فتح العزیز جلد ۸ ص ۱۵۔

نظریۂ اسلامی کی اساس پر اس کا قیام مقتضی ہے کہ اس کے مقاصد خود اسلام کے مقاصد کا عکس ہوں۔ اس کا مقصد صرف قیامِ امن اور افرادِ انسانی کے لیے فلاح و اطمینان کا حصول ہی نہیں ہے۔ یہ ان کی جان کی حفاظت اور انہیں ظلم و زیادتی سے بچانے کو ہی کافی نہیں سمجھتی۔ بلکہ ریاست کے تمام اعمال و دوائر میں اسلامی احکام کی تنفیذ اور دنیا بھر میں دعوتِ اسلامی کی تبلیغ بھی لازمی خیال کرتی ہے۔ اور ایسا کرنا اس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اس کا فرض ہے کہ لوگوں کو اسلامی عبادت اور اسلام کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل بنائے۔ اور اس سلسلے میں ان کی راہ میں جو مشکلات حائل ہوں انہیں دور کرے۔ اور اگر افکار و نظریات اور معاشرتی اور اقتصادی نظام میں کوئی خلافِ اسلام چیز پائی جائے تو اسے ختم کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (الحج: ۴۰)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اس آیت میں اقامتِ صلوٰۃ کا ذکر ریاست کے اس فرض کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ لوگوں کو خدا کی عبادت کے قابل بنانا ریاست کا فرض ہے۔ اور امر بالمعروف نہی عن المنکر یعنی نیکی کا حکم اور بدی سے روکنے کی ہدایت اشارہ کر رہی ہے کہ لوگوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی سہولتیں فراہم کرنا اور اپنے زیرِ اثر تمام شعبوں میں اسلامی احکام کو نافذ کرنا بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

یہ ہیں ایک اسلامی ریاست کے مقاصد۔ ان کا بنیادی ہدف اللہ تعالیٰ کے قانون کی روشنی میں فرد اور معاشرے دونوں کی بہتری اور فلاح ہے۔ فرد کی دنیاوی اور اخروی فلاح بھی ریاست کی اسی ذمہ داری کا ایک حصہ ہے۔